

مخفف حششم (غزلیات)

مظہر عباس چودھری

ضابط

نام کتاب : مصحفِ چشم (غزلیات)
 شاعر : مظہر عباس چودھری
 ناشر : سید رحیم اخترضوی
 مطبع : ایلیا پرنگ پرمیس،
 ڈنپس موڑ لاہور۔

ہمیں :

برائے رابطہ:

گلستان عباس

اینج جوہر ٹاؤن، لاہور
۲۹۷-۲۹۸

۰۳۰۰ ۷۹۶۱۹۶۵



اظہار سنز

۱۹۔ اردو بازار لاہور



انتساب

اہلِ محبت و غیرت کے لیے



میں سوچ سوچ کا دامن احبابنا چپا ہوں
میں لفظ لفظ کو آئینے جمال کروں
میں کائنات کے ماتھے پہ روشنی بن کر
اَزل کے ٹور کی تابندگی بہ حال کروں





جب پہلی غزل ذکرِ خدا سے ہو مُجلا
دل بندہ عاصی کا بنے عرشِ معلّا

الفاظ رُکوع میں ہوں، معانی ہوں بے سجدہ
وتایمِ جو قلم ہو تو ہو قرطاس مصلّا

اظہارِ تشكّر ہے سخنِ دانی نہیں ہے
محرومِ تعزیٰ ہے مرا ذوقِ تولا

حنالق کی کھاں مجھ سے بیاںِ حمد و شنا ہو
میں عبدِ حقیر اور وہ ہے عَزَّوجَلَّ

مظہرَ پَر خصوصی ہے کرمِ رَبِّ عَلَا کا
سیمیں بین اگر لفظِ تو مفہومِ مُطلا





میں نے جو غزل شان پیمبر میں کہی ہے
احباب کا کہنا ہے کہ یہ صرف نئی ہے

حق چہرہ والش، غَضَب گیسوے واللیل
محبوب خداوند کا حُسْن بشری ہے

مخدومہ جو دُنیا میں ملکیۃ عرب تھی
امد کی طلب گار وہ حناتون بنی ہے

ہیں جس کے لقب شیر خدا، نفس پیمبر
حضرت کے علاموں ہی میں مشمول علیٰ ہے

دیتا ہے فقیروں کو دو عالم کی حکومت
اس جیسا زمانے میں بھلا کوئی تھی ہے!

سن کر میرے اشعار یہ کہنے لگے نقاد
تم اس کو غزل کہتے ہو یہ نعتِ نبی ہے





وہ جب پہلی غزل میں نے کہی تھی
مجھے اُس سے محبت ہو چکی تھی

اُسے شعروں کی صورت دے رہا ہتا
وہ صورت جو ابھی تک دیکھنی تھی

اُسے سوچا تو شب بدی سحر میں
خیال یار میں کیا روشنی تھی

وہ منزل جو نہ مل پائی مجھوں سے
کمال ضبط سے حاصل ہوئی تھی

ملا جب وہ تو مجھ بے خانماں کو
متای دشت و دریا مل گئی تھی





جب تلک رسم محبت مرا مقصوم نہ تھی
لذتِ بوسہ گل برگ بھی معلوم نہ تھی

زندگانی تھی مسرت گہ منعم نے کبھی
اس طرح بھی تو مگر کاسٹہ محروم نہ تھی

جانے کیوں خلق کی نظروں میں وہ معیوب ہوئی
تھی خلُع یافت، حناتون وہ مترجم نہ تھی

آج بھی پک نہ کے دخترِ گل چین کے گلاب
باوجود اس کے وہ دل خستہ و مغموم نہ تھی

اولوالا بصار نے خود جلب بصیرت کی ہے
ہاں غزل تو سری آوازہ مقصوم نہ تھی





مرگاں پہ مسری اشک ندامت نہیں دیکھا
اُس نے مجھے درخور توجہ نہیں سمجھا

کردار کٹھی کرتا رہا گرچہ وہ میری
تو قبرِ صنم میں نے بڑھانے ہی کا سوچا

پہلی سی ہے وہ بات نہ پہلی سی ملافاتات
اس عید پہ پیغام مبارک بھی سے بھیجا

الله کرے خیر ہو گل بان کی یارو!
گل دان درتچے میں جو اُس نے نہیں رکھا

خوشبو سی رگِ حب اس میں رایت لگی کرنے
جب عُنچے دہن نے لبِ اظہار کو کھولا

ہر شخص ہتا لگتے بے دندان اُسے پڑھ کر
مقتل پر میرے خون نے وہ معمر کہ لکھا

شاید نہ میرے صبر میں آج بائے کہیں منرق
میں سینے حمراپر نے اس دھیان سے تڑپا

امید تھی گل ریزی پس مرگ کرے گا
اس نے تو میری قبر پر پتھر بھی نہ پھینکا





کوہو کے بیل کی طرح چلنا بھلانہ ہتا
پچھے پتھروں کو پوم کے میں چھوڑتا گیا

کائن، فریب، سنگ، ستم ہائے دل ستان
اُس رہ گزار میں مجھے کیا کیا نہیں ملا

صفِ غزل کو اُس سے جو نسبت تھی دوستو!
میں نے غزل کا اس لیے مجموع لکھ دیا

اُس کو خبر بھی ہے کہ نہیں ہے قدم قدم
میں نے اُسے حیات کا عنوان بنالیا

جن کے لیے لٹے تھے وہ خود لوٹتے ہوئے
کہتے تھے مجھ سے آپ نے اچھا نہیں کیا





فریضہ اُس کو سونپا رہ بری کا
عط جس کو کیا درد آگھی کا

ٹھٹھرتا کانپتا بچپے کسی کا
وہ یعنی سرد موس بے حسی کا

ہمیں سالارِ تنظیم وفا تھے
نبایا حق ہمیں نے دوستی کا

نہیں چھوڑی کی محنت میں کوئی
وہی نوحہ مگر ہے بے گھری کا

سر حمل کھڑے تھے دوست سارے
تاشا دیکھتے تھے بے بی کا

جہاں تاریک سا لگتا ہے سارا
تمھارا جسم پسکر روشنی کا

اُتر کر پیر کامل کے حمرا میں
سلیقے سیکھ لو تم بندگی کا

اسی کا نام ہے دوڑ ترقی!
ہے دشمن آدمی ہی آدمی کا





ہوش ایسے میں ٹکانے آئے
گھر مرا دوست جلانے آئے

حق جب اپنے معتمام پر آیا
خون بہا جیسے بہانے آئے

پھر خدا والے سر دشتنے بلا
اپنا گھر بار لٹانے آئے

میں نے تاریخ کو کھنگالا ہے
کتنے تاریکے زمانے آئے

میرے لب پر نہ کبھی بھولے سے
اہل باطل کے فسانے آئے





بجھتی چنگاری کو شعلہ کر ڈالا
ایک نظر نے مجھ کو زندہ کر ڈالا

وہ اک شخص کہ بادِ صبا کا جھونکا ہتا
بند کلی کو اُس نے غنچپہ کر ڈالا

میں نے خستہ دل سے نصرت جب مانگی
حق نے مجھ سے فتح کا وعدہ کر ڈالا

میرے مددِ مقابل پھر بھی ہار گئے
گرچہ لبِ فرات پے قبضہ کر ڈالا

میں بے دست و پا ہو کر بھی جیت گیا
نادِ علیٰ نے کیا محجزہ کر ڈالا





وہ پہلی بار جب مجھ سے ملا ہتا
میں اُس کو دیکھتا ہی رہ گیا ہتا

حسین بزم طرب میں تھے ہزاروں
مگر وہ حُسن میں سب سے سووا ہتا

مجھے جو حباتا تک بھی نہیں ہتا
مری پہچان اب وہ بن چکا ہتا

تھے پر لیکن اڑان ان میں نہیں تھی
پرندہ قید میں پیدا ہوا ہتا

مرے پیش نظر شرط وفا تھی
میں قبل از مرگ مرنا چاہتا ہتا





دولت کی فطرت میں رُم
جیسے موچ میں زیر و بم

جیا ظاہر ویسا باطن
اپنی سے خوبی کیا کم

آگ کا دریا تیر آؤں گا
کاش بلانے مجھ کو صنم

عشق نگر کے باسی ہیں
پاگل ، دیوانے اور ہم

درد تو میرے دل میں اٹھا ہے
آپ کی آنکھیں ہیں کیوں نَم

شہر بے در پھر کر دینا
لیئے دو کچھ دیر تو دم

غیر کے سامنے کب جھکتا ہے
یار کے سامنے سر ہے خم





عجیبِ شخص اُٹھا دماغِ مظہر میں
کہ کر دی اُس نے جارتِ حضورِ رَحْمَةٍ بِرَبِّ میں

میں مشتِ حنکار ہوں مانا مگر یہ یاد رہے
بدلتا رہتا ہوں اکثر میں ٹویر آنور میں

کبھی خدا نظر آیا وجودِ مومن میں
خدا کو دیکھا کبھی ہم نے ماہ پسیکر میں

آنا نے ڈوریاں کستنی بڑھائی ہیں ہم میں
میں سجدہ ریز ہوں مسجد میں اور وہ گھر میں

قتمِ خدا کی ہے خود بحر بے کراں مظہر
مثالی دریا گرا کب ہے وہ سمندر میں





تمہارے ہجہ کا بزرخ کٹا ہے
تو اب پیش نظر مختصر بپا ہے

غصب کی آندھیاں بھی چل رہی ہیں
ہتھیلی پر مری روشن دیا ہے

نہیں ہے اصل کی تشبیہ ممکن
کہ تیرا عکسِ لب گل برگ سا ہے

میں مضمونِ محبت لکھ رہا ہوں
مرے لفظوں کو عالم چومتا ہے

شرافت کی نہیں ہے قادر کوئی
زمانہ یار کیا آ گیا ہے!





حسن نے پوچھا سوئے مقتل بڑھے گا کون
عشق یہ بولا مجھ کو قتل کرے گا کون

جب تک میری گردن پر سرفتائیم ہے
تیرے سر سے چادر چھین کے گا کون

ہم ہی نے حماموٹی جب اپنا لی تو
پیش حبابر کلمہ حق پھر ہے گا کون

ہم ہی نے جب بیعت کر لی ظالم کی
ظلم کی دہشت سے پھر صاحب نپے گا کون

مظہر لوگ تو آسانی کے فتاں ہیں
تیرے مشکل مشکل شعر پڑھے گا کون





تری نظروں سے جب سے میں گرا ہوں
زمیں کی پستیوں میں آ پڑا ہوں

کبھی دُنیا بھی مجھ کو ڈھونڈتی تھی
میں اب افسوس خود کو ڈھونڈتا ہوں

دیا ہے زہر اہل شر نے مجھ کو
مثالِ ائمۂ مارا گیا ہوں

میں کتنے کارواں تشکیل دے کر
زمانے میں اکیلا رہ رہا ہوں

میں قامت میں ذرا چھوٹا ہوں اُن سے
میں قیمت میں مسگر اُن سے بڑا ہوں

مجھے ہی ڈور کرنے ہیں اندر سے
بھری بستی میں، میں ہی اک دیا ہوں

مجھے سمجھو کہ میں زخمی لبوں پر
کسی ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہوں

عدو چاروں طرف سے بڑھ رہے ہیں
تری حنادر سمجھی سے لڑ رہا ہوں

نشیپِ فرش پر عبّاس مظہر
کئے ہلقوم سے ننکلی دعا ہوں





شر سے مولا مجھے یہا کر دے
 اک نئی زندگی عطا کر دے
 بُردوں سے نے ڈشمنی ہو مری
 دوست! میرے لیے ڈعا کر دے
 وصفِ معشوق بے وفاتی ہے
 عہد، عاشق ہے جو وفا کر دے
 حُسن باعث تو ہے کشش کا سرگ
 زندگانی کو اک سزا کر دے
 زندگی بھر خط بھگتا ہے
 محض اک لمحہ جو خط کر دے
 بادشاہی مجھے عزیز نہیں
 اپنے کوچے کا بس گدا کر دے

جو نہ آئے مرے جنازے میں
رسم چھل مبھی وہ قضا کر دے

مجھ کو مقروظ عمر بھر کر لے
فترض میرا کوئی ادا کر دے

بن کے حنادم دوام حاصل کر
خود کو مخدوم میں فنا کر دے

سوچتا ہوں کہ زندگی کم ہے
فرض میرے ادا خدا کر دے

منظہر عباس ہر کی مانند ٹو
خود کو سادات پر فدا کر دے





فُروں ذات مجھے کائنات کا ڈکھ ہے
 جہت بھی حناص نہیں شش چہاتے کا ڈکھ ہے

 تعصُب اور تَقْرُب طریقِ تنگ نظری
 جو ڈکھ تھا دین کا وہی نظمیات کا ڈکھ ہے

 جو مالکوں کو بھی پانی پلا سکا سنے عنیریب
 مجھے تو دشتِ بلا میں فرات کا ڈکھ ہے

 ابھی ہیں سید و مرتضی و حنان کی بحشیں
 کہ نسلِ نو کو ابھی ذات پاتے کا ڈکھ ہے

 کسی پر فتووں ، کسی پر ہے تھتوں کا ڈفور
 یہ پہلے شہروں کا ہتا اب دیہات کا ڈکھ ہے

 کسی کو دین کا ڈکھ ہے کسی کو دُنیا کا
 عجیب ڈکھ ہے جو اپنی برات کا ڈکھ ہے

تلشِ حق میں اٹھائی ہیں زجتیں برسوں
 عزیزو ہم کو قتلم اور دوات کا دُکھ ہے
 تیجہ نکلا ہے فکرِ عقیق سے مظہر
 کہ کائنات کا دُکھ ایک ذات کا دُکھ ہے





فاصلوں کے جہاں میں رہتا ہوں
 تیر بن کر کاں میں رہتا ہوں

 سر پر چھٹت تک نہیں مرے مولا
 اہل زر کی اماں میں رہتا ہوں

 میں تصّع کا اب نہیں و تائل
 بن حقیقت کے بیان میں رہتا ہوں

 حمام دعویٰ زبان دانی کا
 کیا میں اہل زبان میں رہتا ہوں

 کب نمازوں کی نوبت آئے گی
 میں تو اکثر اذان میں رہتا ہوں

 ریش چہرے پر سمجھ کی نہ مرے
 میں ابھی تک گاں میں رہتا ہوں

طعن و تشنیع و طنز بے صحّت
کیا جصار سگان میں رہتا ہوں

عقلیت کا میں کب رہا فتائل
عشق کی داستان میں رہتا ہوں

اپنے مصروعوں میں میں بھی شامل ہوں
دل سے نکلی فُغاں میں رہتا ہوں

میرے شعروں میں ایک دُنیا ہے
چپرخ کے سایبان میں رہتا ہوں

تیس برسوں کی سیہ ریاضت ہے
علم کے درمیان میں رہتا ہوں

مظہر عباس فتاویں کو بتا
مر کے باغِ جہاں میں رہتا ہوں





شاعرو! حرف آگھی دینا
قوم کو جب بھی شاعری دینا

زندگی نذر موت ہے یارب!
موت کے بعد زندگی دینا

لوگ کاسہ بہ دست د رویہ
آکھڑے ہیں کہ روشنی دینا

دشمنی دوستی کا حاصل ہے
مجھ کو بے دوست دشمنی دینا

شہر کہتے ہیں جنگلوں سے ہمیں
بے ریا نسل آدمی دینا

میرے اللہ ہر طرح، ہر طور
مظہر عباس کو خودی دینا





کاش میانوں کی حکومت ہو
ملک میرا مثال جلت ہو

بم دھا کے کرا سکے پھر کون!
گر وطن دشمنوں میں غیرت ہو

لُٹ سکتا ہے پھر کوئی ہم کو!
جب پولیس اپنی نیک بیت ہو

فرقہ بندی کا حناتم ہو اگر
جز سے کیوں ختم پھرنے دہشت ہو

ختم جاگیر داریاں کر دے
کاش جہزیل میں یہ ہمت ہو

ظلم پھر کیوں کسی پہ ہو پائے
”ایں بیلڈ و“ پر اگر عدالت ہو

منظہر عبا س کیجے رب سے دعا
پاک نفرت سے اب سیاست ہو





نرم خُوئی میں عاطفت ہی تو ہے
حسنِ اخلاق خیریت ہی تو ہے

ایک حد تک اگر رکھو گے تو پھر
دوستانے میں عافیت ہی تو ہے

وہ عنربوں میں لگ رہے ہیں امیر
یہ توسط مناقفت ہی تو ہے

اپنی پہچان کی ضرورت ہے
ہاں! خودی حق کی معرفت ہی تو ہے

اُس کو جُشت جو مانتے ہیں ابھی
ہم کو مُلّا سے انسیت ہی تو ہے

مظہر عباس جھانک باطن میں
علمِ دوران میں سطحیت ہی تو ہے





کسی کی فنکر میں ڈوبے ہوئے ہیں
پرندے سر ٹگوں بیٹھے ہوئے ہیں

بے ظاہر لوگ ہنتے مسکراتے
مگر اندر سے سب ٹوٹے ہوئے ہیں

مرے سایے سے کل جو بھاگتے تھے
مرے شانے پہ سر رکھے ہوئے ہیں

بھرا جنگل پناہ رب میں ہے اب
شکاری شہر میں آئے ہوئے ہیں

علامت ہم ہیں آزادی کی مظہر
سلامل بھی مگر پہنے ہوئے ہیں





محبت ہم تو ان سے کر رہے ہیں
مگر وہ مال و زر پر سر رہے ہیں

دل و دیدہ و شامہ و ساعت
تری حناطر کھلے سب در رہے ہیں

سدا مولا کے ہم فضل و کرم سے
بے عز و شان وکر و فخر رہے ہیں

سموں سے ہو گئے پامال لاشے
مگر کٹ کر بھی اونچے سر رہے ہیں

سوا نیزے پہ سورج آگیا کیا
جلس کر لوگ کیوں کر سر رہے ہیں

تبہی خود مچاتے ہیں جو مظہر
وہی الزام ہم پر دھر رہے ہیں





میرے پیش نظر زندگی ہے
جس کا انعام بد خودگشی ہے

نفسی کا عالم ہے ہر جا
دہر میں ہر طرف بے حسی ہے

بھرکاری ہے زر کی جہاں میں
فتریہ فتریہ یہی سامروی ہے

ایک بچے کے پڑھنے کی حناطر
باپ نے عمر تک بچے دی ہے

اُس کے بیٹے نے ایم اے کیا ہے
ماں کا حرفِ دعا نوکری ہے

کوئی سنتا نہیں آہ و زاری
گرچہ ملبوس بھی کاغذی ہے

بھوک سے مر رہا ہے ہنڈر میں
وہ جو الفاظ کا جوہری ہے

یاخدا اس وطن کو بچا لے
ہر طرف لوٹ سی اک پنجی ہے

شُن کے کہنے لگے اہل حکمت
خوب صورت غزل آپ کی ہے





اب ذاتیے بھی بھول گئے ہیں خمار کے
کب دیکھیے پلٹتے ہیں وہ دن بیمار کے

ہے ہار میں بھی جیت کبھی جیت میں بھی ہار
معیار مختلف ہیں بڑے جیت ہار کے

اک شخص کو بھی اپنا بنایا نہ حبا کا
اس شہر نامراد میں برسوں گزار کے

مسزدھی و وکالت و تدریس و عاشقی
کیا کم تبرکات ہیں پورو دگار کے

مظہر عبادتوں سے سروکار کیا رکھیں
مارے ہوئے ہیں لوگ غم روزگار کے





بے جس معاشرے میں مجھے حبانتا ہے کون
جنگل میں آئنے کو بھلا دیکھتا ہے کون

سرماہی دار ہی ہے بڑا آدمی جناب
درویشِ نوا کو بڑا مانتا ہے کون

چ پوچھیے تو سادگی بس نام ہی کو ہے
کھدر بغیر کلف کے اب پہنتا ہے کون

محبنوں سکون پسند ہے، لیلیٰ سکون نواز
صحرا کی ریتِ عشق میں اب چھانتا ہے کون

مظہر یہ ٹو نے کیا و تیرہ بنا لیا
ایسی عُمقیں باتوں کو اب سوچتا ہے کون





کیا رقبہ کیا مال ضرورت میری ہے
اک کوزہ اک شال ضرورت میری ہے

دریا ہی کا پانی بادل بتا ہے
ساون کو ہر سال ضرورت میری ہے

اُس کی نگس آنھیں میری کم زوری
اُس کے لب کا حنال ضرورت میری ہے

جس کی حناطر میں مسزدوري کرتا ہوں
اُس کے کالے بال ضرورت میری ہے

میں جو حُسن کی ہر دم عزّت کرتا ہوں
خُوروں جیسی چپال ضرورت میری ہے

عمر گزاری میں نے تیراندازی میں
مظہر اب اک ڈھال ضرورت میری ہے





عقل کی باتیں سمجھاتے ہیں
پھر بھی پاگل کہلاتے ہیں

اہل جگوں ہی اہل خروں ہیں
آؤ تمصیں ہم سمجھاتے ہیں

چوری ڈاکا دہشت گردی
ہر جا نظرے مُنڈلاتے ہیں

ہم کو یہ معلوم نہیں ہتا
بادل آگ بھی برستے ہیں

بھولی بسری یادوں کو ہم
رات گئے تک دُھراتے ہیں

اہلِ زمیں اب جس دم چاہیں
چاند نگر آتے جاتے ہیں

دیوانے بہلوں صفت ہیں
راز کی باتیں سمجھاتے ہیں

مظہر ! چاند ، ستارے جگنو
اہل نظر سے شرماتے ہیں





میں تو اضطراب پسند ہوں کہ شکون مجھ کو ملا نہیں
مرے جسم پر بھی ہیں یورشیں مرا زخم دل بھی سلانہیں

میرے جسم و جاں میں نہیں سکت اور نہ پاس میرے ہے مال و ذر
میں ہی دوستی نہ بھاگ کا، مجھے دوستوں سے گلا نہیں

میں نے اپنا عہد بھلا دیا تو نے پھر بھی ساتھ مرا دیا
یہ تری عنایت حناص ہے، یہ مری وفا کا صلہ نہیں

ترا استغارة دل کشی مجھے مل سکانے لگاتے میں
تری ماگنگ میں جو سب اسکوں، کوئی ایسا پھول کھلا نہیں

میں نے شب چراغ بھادیا کہ سبھی عزیز ہوں الوداع
نہ ہے اعتقاد کہ بزم سے کوئی ایک فردہ ہلا نہیں

بے ہدایتی ، بے حمیتی ہے بے وجہ قلت رہ بُری
کہ یہ قوم جس کی ہو مقتدی ، وہ امام اُس کو ملانہیں





کوئی کیسے کہتا کہ مر گیا
کیا جہاں سے میرا ہنر گیا

یہ تو ورشہ اپنا آزل سے ہے
کوئی غم نہیں ہے ، جو سر گیا

میرے پاس آتے رہے عدو
میں کبھی کسی کے نہ گھر گیا

یہی تجربہ ہے جہاں کا
جو چڑھا وہ دریا اُتر گیا

یہی کاروبارِ حیات ہے
جو کھلا وہ پھول بکھر گیا

مری روح نے یہ کہا مجھے
مرا جسم، مظہر کدھر گیا؟





حسین بادنا کی جستجو ہے
سو چشمِ باحیا کی جستجو ہے

کنایے استعارے خوب سمجھے
کسی ذہنِ رسا کی جستجو ہے

ستم کی آندھیوں سے بھنس نہ پائے
ہمیں ایسی ضیا کی جستجو ہے

نہیں درکار ہم کو مالِ دُنیا
فقط رب کی رضا کی جستجو ہے

کسی نادان کے پیاس سے ہونٹ چومو
اگر آبِ بقا کی جستجو ہے

مصنفِ پشم

بس اپنے نفس کو پہچان لو تم
اگر ذاتِ خدا کی جستجو ہے





گنید زیست کی تاریکی میں شعلہ لکھنا
غلمتِ دہر میں تم حرفِ اُبلا لکھنا

اے مرے دوستِ مری فنکر کے محور مجھ پر
جب کبھی لکھو تو بھرپور مفتالہ لکھنا

آزمایش کی گھڑی میں نہ بھلانا مجھ کو
ہر کڑے وقت میں تم مجھ ہی کو نامہ لکھنا

تم مرے جذبِ محبت کو فروزان رکھنا
خود کو گر چاند لکھو تو مجھے ہالہ لکھنا





کیوں کر مرا خلوص اُسے جیت نے کا
امشب بے صد ملال میں یہ سوچتا رہا

جس کی طلب میں اوروں سے توڑی تھی رسم و رہ
اس سال اُس سے بھی نے کوئی رابطہ ہوا

میری ہر ایک بات میں خوش بُوے یار تھی
اُس کا گلاب لمس ہتا اُس میں بس چکا

شاید گریز پاھتا یا پھر ہتا تراب رنگ
آواز دے کے مجھ کو کہیں دور جا بسا

کہتے ہیں دوست ہم نے بتایا نہ ہتا تھیں
اُس نے تھیں وفاوں کا اچھا صلمہ دیا





اگر پہ حبرم تو اُس نے کیا ہتا
زمانہ پھر بھی مجھ ہی سے خفا ہتا

اُسے مجھ سے یہی بس اک گلا ہتا
میں کیوں اُس سے محبت کر رہا ہتا

یہ لمبا فاصلہ کیا فاصلہ ہتا
ہمارے درمیان گویا خلا ہتا

وہ اپنے گھر کی دیواریں اٹھا کر
نظر سے میری چھپنا چاہتا ہتا

وطن کے شام و صبح کتنے بھلے تھے
دیارِ غیر میں، میں سوچتا ہتا

سچھ کر خوب صورت ہی عبادت
میں غور و خوض میں ڈوبا ہوا ہتا

مثال شن، مظہر میں بھی شاید
تخیل سے حقیقت کو جتا ہتا





یہ تیری یاد سے وابستگی ہے
مجھے یادِ حرم بھولی ہوئی ہے

جبین یار کی خو سے نگر میں
روپہسلی حپاندنی بکھری ہوئی ہے

نہیں روشن سحر سے کوئی شے بھی
مگر ساقی ٹلویریں آپ کی ہے

لو مورت گر کی پوچا کر رہا ہوں
اگرچہ سامنے اک مورتی ہے

عجب لوگوں سے پالا ہے پڑا آب
کہ جن کی دوستی بھی ڈشمنی ہے

ہوئی حنم ظلم کے آگے نہ گردن
کئی ہے کٹ کے نیزے پر چڑھی ہے

ہم ایسے ڈور میں زندہ ہیں لوگو!
کہ جس میں موت وجہ زندگی ہے





مدت کے بعد مجھ سے وہ گویا ہوا ہے آج
شہر جبیں گرفتے تھے کیا ہوا ہے آج

حبابِ جہاں ٹما تو نہیں ہے ہمارے پاس
حبابِ سخن سے نور کا سودا ہوا ہے آج

حالات تھے ڈگرگول تمہارے بغیر دوست
حاتم بھی اپنے سامنے سہا ہوا ہے آج

خط کش کیا ہتا جس نے مرے نام کو کبھی
میرا ہی نام ہاتھ پہ لکھا ہوا ہے آج

عرصہ ہوا وہ شخص کہیں ڈور جا بنا
لگتا یہی ہے مجھ میں وہ مہکا ہوا ہے آج





جو خل جاں کو پیار کی آری سے کاٹتا
میں فرط انیساط سے وہ ہاتھ چومنا

میرا حسیرے رسمِ محبت سے بے خبر
ورسہ میں اُس کے ایک اشارے پہ ناچتا

وہ صدقی دل سے چل کے سرے گھر جو آگیا
پھر میں بھی کیوں نہ اُس کی ہر بات مانتا

اُس کو بغیر مول مسری دوستی ملی
ھتا کتنا خوش نصیب وہ خیرات بانٹتا

میرا غنیم میری طرف بڑھ کے ڈک گیا
چہرے کا رنگ زرد ھتا اور ہاتھ کانپتا





کچھ لوگ دے رہے تھے مکروہ ریا کا ساتھ
یعنی کہ فتافلے سے مسافر نہ کا ساتھ

کیا ساتھ میں جو اُس سے کہوں ساتھ ساتھ چل
خواہش سے کب ملا ہے کسی کو ہما کا ساتھ

شب کا سکون، راحت و آرام چھوڑ کر
شب خیز چاہتا ہے یقیناً خدا کا ساتھ

گو انطباق آپ کا مجھ سے نہیں ذرا
لیکن نہ چھوٹ پائے گا صبر و رضا کا ساتھ

باطل کے سامنے میں ڈٹ کر یہ سوچتا ہوں
ہے شاملِ شجاعت کس کی دعا کا ساتھ





عدوے زیست مجھے ڈشمنی کی وحہ بتا
یا فتریت دل و حبّاں سے مجھے ٹو دوست بنا

اے دوست یا تو رہ عشق اختیار نہ کر
یا نوکِ دار پہ میری طرح تو جھولنے آ

میں نبھیں وقت پہ پوری گرفت رکھتا ہوں
تجھے یقین نہیں ہے تو مجھ سے ہاتھ ملا

ونرازِ نیزہ سے آوازِ رہ ٹھا آئی
مرے عزیز! رہ حق میں ٹو بھی سر کو کٹا

سجا رہا ہوں میں تیرے لیے جہانِ وفا
مرے خیال میں ٹو بھی تو اپنی ماگ۔ سجا





طلوعِ هجر مجھے درد ناگہانی دے
شپ فراقِ میرے درد کو روانی دے

میں بار بار رہا اُس سے اعطش کہتا
اُمید تھی سنہ اگرچہ وہ گھونٹ پانی دے

مرے خدا مرے ہے کا حُسن مجھ پ اُتار
مزید دیر سنہ کر مجھ کو میرا ہانی دے

روہ حیات کی تھائیوں سے ترساں ہوں
جو مجھ کو حبان سے چپا ہے مجھے وہ حبانی دے

کی نہیں ہے تری بارگاہ افتادس میں
مرے نصیب بدل بخت شہ جہانی دے

بنارہا ہوں میں شعر و ادب کا تاج محل
بے شکل ملکہِ ممتاز اک جوانی دے





نام سنا بھی جسے ہتا نہ گوارا یارو
مُقْتَسٰ اب مسری تحریر کا وہ ہتا یارو

قصۂ درد کی کردار نگاری کے لیے
کاش وہ مجھ کو پریشان تو کرتا یارو

پڑ علیا ، پڑ سُفلی سے کہیں بہتر ہے
شاہ فیاض نے کیا خوب بتایا یارو

کون حاکم سے یہ کہتا کہ ذرا ہوش سے چل
قرعۂ فال مارے نام کا نکلا یارو

وقف کرتا جو ہر اک سانس کو اوروں کے لیے
ایک بھی شخص نہ ہت شہر میں مجھ سا یارو





دہر میں وقت کے خوشید جو کھلاتے تھے
وقت بدلا تو سر شام کرن کو تر سے

قرب میرے کے لیے دیتا حتاکل جونذریں
میری آواز پہ اب کے وہی رستا بدالے

محِ مہار ہے تو اپنے پیا کے گھر میں
میری آنکھوں سے تری یاد میں ساون بر سے

آج لَنکا کو ڈھانے پہ اُتر آئے ہیں
کل تلک تھے وہ جو بھیدی گھر کے

اب تو خواہش ہے کہ ہم پار افق کے حبائیں
بے مزا زیست کا یہ بوجھ ہی سر سے اُترے





درد درمان کا تقاضا کرے
دل مگر آن کا تقاضا کرے

شہر بھر میں جو میری پہچان ہتا
جان پہچان کا تقاضا کرے

مصلحت پوروں کی بستی میں
دوستی دھیان کا تقاضا کرے

سر سے اپنے اڑا بھی دو طائر
خامشی بیان کا تقاضا کرے

نسل آدم سے یہ بھری بستی
ایک انسان کا تقاضا کرے





مجھ کو معلوم ہے ناکام ہوا کرتے ہیں
وادیِ عشق میں بدنام ہوا کرتے ہیں

آپ تو ڈرتے ہیں شرماتے ہیں کتراتے ہیں
پیار کے وعدے سرِ عالم ہوا کرتے ہیں

مجھ سے ملنا ہے تو اس طرح سے مل کر رہیے
جیسے دو معز کے بادام ہوا کرتے ہیں

باتیں ہوتی ہیں انھی کی مہ و انجم میں
رات کو جب وہ لب بام ہوا کرتے ہیں

اُن کو دیکھوں تو نش چھائے نہ کیوں کر مظہر
اُن کی آنکھوں میں بھرے حبام ہوا کرتے ہیں





میں نے لبِ علین کو عجب ڈھنگ سے پُچوما
جیسے کوئی لے آئیہ مترآن کا بوسہ

چہرے کو تلاوت کیا اشکوں کے ڈضو سے
پڑھ سورہ رحمان زنج دان کو دیکھا

تخلیقِ صنم میں بھی تو مُھمر ہے قسم سے
الحمد سے لے ختمہ والقاس کا جلوہ

آؤ کہ خبر گیری کریں اہل ہوس کی
وہ لوگ جو کم فہم ہیں کہا جائیں نہ دھوکا

بھولے ہی چلے جاتے ہیں سب راہِ حرم کو
واجب ہے حرم والوں پر اب بھیج دیں نقش





جب تے گنج لب کو چوما ہے
بہ خدا نقش رب کو چوما ہے

میں نے چوما ہے جراؤسود کو
حال جو آج شب کو چوما ہے

جب بھی سوچا تے سراپے کو
میں نے پازیب و پُب، کو چوما ہے

لنظ چُن کے تیری حپاہت میں
خط میں لکھے ہیں سب کو چوما ہے

تجھ سے کھائے فریب بھی اکثر
پھر بھی تیرے نسب کو چوما ہے





قادِرِ حُرخ نے پیغام سحر بھیجا ہے
شبِ ڈیبور کہیں اور ٹھکانہ کر لے

ہم کو معلوم ہے لا علی یزیدی رٹ ہے
حاکم وقت کوئی اور بہانہ کر لے

شاخ آہو سے خنگ سوے عنریبائی نہ چلا
جبر پیش! لے جگر میرا نشانہ کر لے

اک نئے ڈھنگ سے شہ ٹرخی اخبار سجبا
تو مرے خون سے رنگین فسانہ کر لے

آج بھی شامِ عنریبائی کا سماء ہے درپیش
اُب ہی احساسِ ستم کاش زمانہ کر لے





خیبر کا دراکھاڑ کے، مرحبا کی جان لے
نان جوینِ خلک کی طاقت تو دیکھی

نخل چنار تو نہ شرbar ہو کے
خون حبگر سے بھی جو کوئی پرورش کرے

بنگی آبِ ماہ اگر میرا ساتھ دے
حر آتشیں مزاج پہ امشب میرا چپے

آفاق ہیں توجہ کے طالب جناب سے
آرایشِ جمال سے فرست اگر ملے

ہے ابتمامِ گل سے مقابلہ تری ہنسی
خوش بو سی پھیلتی ہے سر بزم جب نہے





تن ہے خمیدہ کبھی دربار میں آئے
سرہائے بُرییدہ کبھی دیوار میں آئے

کیا پوچھو ہو رُوداو سفر غم زدگان کی
زندان میں پہنچے کبھی بازار میں آئے

سنگ باری طفال ہوئی حیف اپنا مقدار
کشکول بہ دست ہم جو گوئے یار میں آئے

دن نالہ و فنر یاد میں، شب آشکاں بہ مژگاں
کچھ ایسے مراحل بھی ترے پیار میں آئے

گو حرت دیدار سے ہم حبان بہ لب تھے
جب اذن ہوا حُسن کی سرکار میں آئے





جُنون کے مرحلے آزار والے
ہوئے ڈشمن کبھی سنار والے

مرے سینے پر آویزاں ہیں اب تک
وہی تنگ تری سرکار والے

ہی بدکار ہیں یا وہ بھی سارے
خبر اپنی بھی لیں کردار والے

متاعِ حُسن آرزاں پک رہی ہے
کہاں ہیں مصر کے بازار والے

میں پیش شاہ سید صاحب اکھڑا ہتا
بہت نالاں ہوئے دربار والے

زمانہ یوں ہی غوغہ کر رہا ہت
ذرا حناف نے تھے مخدھار والے

ہمیں درس دلیری دے گئے ہیں
وہ اہل حق وہ یعنی دار والے





جمیلوں میں الجنا پڑ گیا ہے
مجھے خود سے بچڑنا پڑ گیا ہے

جو مجھ پر آیتیں نازل ہوئی تھیں
انھیں نیلام کرنا پڑ گیا ہے

سرِ مقتل شہادت چاہتا ہتا
مگر بے وقت مرننا پڑ گیا ہے

مرے شام و سحر ہیں عکسِ کربل
زمانے بھر سے لڑنا پڑ گیا ہے

سمندر میرا رستا روکتا ہے
سمندر زیر کرنا پڑ گیا ہے

کبھی جو تیرگی میں کھو چکے تھے
اُنھیں پھر سے چمکنا پڑ گیا ہے

تری فربت بہ شدت چاہتا ہوں
ترے پیکر میں ڈھلنا پڑ گیا ہے





نہ جانے راز کیا اس میں کیا نہ ساہ بے
کہ شہر بے وفا ہی شہرِ حبائے

مجھے کس کس کو سمجھانا پڑے گا
تمھارے خط سے ہر صورتِ عیاں بے

گواہوں کی ضرورت ہی نہیں بے
کہ پیاس میرے تیرے درمیاں بے

زیجنا گرچہ بوڑھی ہو چکی بے
مگر یوسفؑ حسین بے اور جوان بے

مری آنکھیں مسلسل ڈھونڈتی ہیں
وہ حبانِ حبائے پسکر کہاں بے

اُسے اپنا بنانا چاہتا ہوں
مرے اشعار میں جس کا بیاں ہے





کل تو ہتا میرا انتظار اُسے
آج لمنا ہے ناگوار اُسے

میں نے دلیز پر جسیں رکھ دی
پھر بھی آیا سے اعتبار اُسے

دیکھتا دل کی آنکھ سے گر وہ
خود پہ رہتا سے اختیار اُسے

جب سے میں نے اُسے کہا اپنا
مل گئے کتنے حبائی نشار اُسے

کس نے پتھر میں ڈال دی ہے دراڑ
کر دیا کس نے بے قدر اُسے





ہے شہر میں رونق ترے آنے کی خبر سے
لوٹ آئے کہیں جیسے کوئی حپاندگر سے

اب گاؤں کے حالات کی کیا مجھ کو خبر ہو
مجھ کو تو زمانہ ہوا نکلے ہوئے گھر سے

اے شامِ عنریبان تری آفات سے پہلے
خود خیم جلا آیا ہوں اشمار کے ڈر سے

لے جاؤ کسی روز یہ آشکوں کی امانت
اک بوجھ اُتر جائے بھلا اپنے بھی سر سے

تعویذِ محبت کی ضرورت نہیں رکھتے
وہ لوگ جو واقف ہیں محبت کے ہنر سے

مصنفِ پشم

تھیر سے بچنا ہے اُسی شخص کا ممکن
اللہ بچائے جسے شیطان کے شر سے





صب نے پھول سے یہ کیا کہا ہے
کہ اُس نے چاک داماں کر لیا ہے

سکون قلب کی دولت ملی تب
تمھارا نام جب میں نے جپا ہے

مدارِ خواب ہتا جو آج کل پھر
وہی خلیات میں رچ بس گیا ہے

مجھے خود سے محبت ہو گئی ہے
کہ ٹو نے مجھ کو اپنا گہ دیا ہے

سر بازار اُس کا مجھ سے ملنا
نہ جانے اس میں کیا دھوکا چھپا ہے

جہان فن پے اک حیرت ہے طاری
مرا شہ کار یوں ظاہر ہوا ہے





مجھ سے بچھڑ کے بھی میرے پیش نظر رہے
راہِ خیال میں وہ میرے ہم سفر رہے

محبِ رُخ جمال رہا آسمان کا حپاند
جب چودھویں کی رات میں وہ میرے گھر رہے

سب محسنوں کے احسان ، میں نے چکا دیے
اُن کے سب احسانات مسگر میرے سر رہے

فتاد آوری کے زعم نے بے نام کر دیا
کلتے گئے درخت وہ جو بے شر رہے

میں لفظ لفظ جھیل کی گھرائیوں میں ہتا
تفاہ میرے فن سے مسگر بے خبر رہے





تجھ سے یہ دل جو بھر گیا اے دوست
تو ہی اس کا سبب بنا اے دوست

میں تے نقش پا پہ سر رکھتا
تو نے ہی ساتھ نہ دیا اے دوست

میری سانیں تری امانت تھیں
تو جو خوش بو نہ چھینتا اے دوست

عین ممکن ہے مر کے زندہ رہوں
میں جو جیتے جی مر چکا اے دوست

میں بھلے وقت کی تلاش میں ھتا
سخت مشکل نے آلیا اے دوست





شور کرب کا باعث بنا تو لطف آیا
وہ یعنی قطرہ سمندر ہوا تو لطف آیا

اگرچہ ہاتھ تھے سنگِ گراں کے بوجھ تھے
جنوں نے چاک گریباں کیا تو لطف آیا

میں دشتِ فنکر میں بھٹکا ہوا مسافر ہتا
سہارا تیسری امام کا ملا تو لطف آیا

مرا شعورِ ساعت کسی سے ترسنے ہوا
حدیثِ درد کو خود سے سنا تو لطف آیا

وہ کاٹ کر میرے بازو فتح کے زَعْم میں ہتا
میں آسمان کی تھے میں اڑا تو لطف آیا

وہ چھینتا ہتا ردا میں ، رذیل فطرت ہتا
کسی نے ہالوں سے پرده کیا تو لطف آیا





بَهْ خَدَا هَدِيَّهُ إِلَهِيْ
فَنَكَ مَسِيرِیْ جَوْ كَرْبَلَائِیْ

شَاهَ كَ ظَلَمَ سَهْ بَچَ لَيْجَ
شَهْرَ مَسِينَ هَرْ طَرْفَ ذَهَانَیَ

حَوْصَلَهْ جَسَ سَهْ هَوْگَنَهْ بَیْنَ جَوَالَ
مَیْنَ نَهْ اِیَّيَ غَزَلَ سَنَانَیَ

هَمَ تَرِیْ رَاهَ مَسِینَ هَوَیْ بَرَبَادَ
پَھَرَ بَھَیْ هَمَ هَیْ سَهْ کَجَ اَدَائَیَ

وقت ہے فخر و شادمانی کا
دو کتابوں کی رونمائی ہے

ایا لگتا ہے روح شاعر کی
وَلَ وَلِ زیست سے رہائی ہے





جذبہ فنکر و فن کا فتائل ہوں
ہمت کوہ گن کا فتائل ہوں

رب نے بخشہ ہے ذوق زیبائی
حسن کے بانپن کا فتائل ہوں

ترک اولی کی مسلح پکی ہے سزا
اب بھی باغ عدن کا فتائل ہوں

حنا ر و گل سے مجھے محبت ہے
سارے اہل حضن کا فتائل ہوں

مظہر عباس روشنی کے لیے
مشعل پنج تئی کا فتائل ہوں





ادب آباد میں اُترا تو جانا
میں گوہر بن کے جب چکا تو جانا

محبت روشنی ہے ، زندگی ہے
میں عشق آباد ہیں ٹھہرا تو جانا

جالی بندگی حسنِ ازل ہے
میں حسن آباد میں بھکا تو جانا

مرے گھر میں بھی اُترا ہے ستارہ
جو آنسو آپ کا ڈھلکا تو جانا

مقدار میں نہیں وہ ماہ پیکر
مرا حبام وفا چھلکا تو جانا

مجھے کیوں کر ہے الفت مومنوں سے
علم عبّاسٰ کا اٹھا تو حبنا





شah نے آج عنربیوں پہ ستم توڑ دیا
خنک حناشاک کو جوں زیر قدم توڑ دیا

قرض خواہوں سے ملے گی تمھیں مسزدورو نجابت
بے پنہ فرض نے جب پشت کا حنم توڑ دیا

خود ہی کرڈالا ہے کم بختوں نے سامان ٹکست
فتح کیا پائیں گے یاروں نے علم توڑ دیا

اہل حق پر جو کبھی لکھنے کا موقع ہے ملا
ایسے شہ کار تراشے کہ قتل توڑ دیا

دو رُخ طرزِ محبت کے نہیں ہیں فتاہیں
عشق جب رب سے کیا ہم نے سنم توڑ دیا





اس دل پے ہوئے کتنے اثر اور طرح کے
خھے میرے بھی پرواز کے پر اور طرح کے

فتاٹل نے بے الزام بغاوت جھیں کاٹا
سر نیزوں پے آتے تھے نظر اور طرح کے

دن رات ملائکہ کا نزول ہوتا ہے جن پر
ہوتے ہیں زمانے میں وہ گھر اور طرح کے

پابندِ رَسْن، دوڑتے گھوڑوں کے چلو میں
ہیہات کیے ہم نے سفر اور طرح کے

بیدادِ زمان سے جو یک سرہی الگ تھے
ڈرپیش رہے ہم کو خطر اور طرح کے





کسی کا نور اُتر آئے میرے پیکر میں
سماں رہتا ہے یہ خطاب میرے تر میں

مرے حصول کی کوشش تھی جس کی برسوں سے
گناہ دیا ہے مجھے اُس نے آج پل بھر میں

نہیں زمیں کے خزانوں کی بھی خبر ہم کو
چھپے ہیں کتنے خزانوں ابھی سمندر میں

جو گھر بنایا گیا میرے اور اُس کے لیے
کبھی وہ مل نہیں پایا مجھے اُسی گھر میں

وہ میرے پاس کھڑا ہتا پہاڑ کی کھوہ میں
کشش عجیب سی تھی کل پہاڑی منظر میں

میں اُس سے ملنے کی حوصلات نہ کر سکا مظہر
کھڑا ہتا وہ بھی اگرچہ میرے برابر میں





خود تو مزدوری کی حاضر میں چلا آتا ہوں
دل مگر چھوڑ کے پاس آپ کے میں جاتا ہوں

کیسے اس شہر سے زیادہ ہو کوئی شہر عزیز
آپ سا ماہ لقا اور کہاں پاتا ہوں

ہے کش تم میں کہ جیسے ہو کوئی مقاطیس
میں تو فولاد کی مانند کھنپ آتا ہوں

خوش عقیدہ ہوں مگر محبت و تحقیق کے ساتھ
ہاں غلو سے تو ہمیشہ ہی میں کستراتا ہوں

میرے اشعار پر سرد ہنٹے ہیں سب اہل نظر
خوب دربار سخن شعروں سے مہکاتا ہوں

مظہر عباس مجھے عادتِ تسلیم تو ہے
ہاں مسکر جھوٹ کے طومار سے گھبراتا ہوں





کبھی ملے گی اگر طاقتِ خیال مجھے
تو یہ بھی سوچوں گا آیا ہتا کیوں زوال مجھے

پکڑ کے ہاتھ مرا خود ہی اعتنا نہ کی
گھلا رہا ہے ابھی تک یہی ملال مجھے

میں جن پہ کرتا ہتا فتر بان زندگی اپنی
وہ کر رہے تھے بڑے شوق سے حلال مجھے

گزارا ہجمر کا عرصہ کمال ہمت سے
عزیزو! راس نہ آیا کبھی وصال مجھے

وہ جس کی قبر ہے دل میں وہ قبر میں آئے
خدا سے قبر میں کرنا ہے یہ سوال مجھے

سچھ لو ہم ہی کو عبا س تم بنو مظہر
کڑک کے دی تھی کسی نے عجب مثال مجھے





مر کے بھی موسم بہار میں ہیں
جیسے زندہ ابھی مزار میں ہیں

خوش گانی ہی خوش گانی ہے
ٹور میں حناک میں یا نار میں ہیں

فاتائلہ ہے رواں بے سوے نجف
کتنے آنوار اس غبار میں ہیں

اک ٹلماں نے بھیجنہ ہے اُسے
ابن ماجم کے انتظار میں ہیں

سجدہ شکر کی ادائی ہے
ضربِ شنیغ زہر دار میں ہیں

ہار کر دیکھنا ضروری ہے
جیت میں کب مسزے، جو ہار میں ہیں

روشنی بانٹتے رہو مظہر
لوگ ظلمت کے کاروبار میں ہیں





کسے کسے عجب سائل ہیں
لوگ ہر ہر فتم پہ گھائل ہیں

ہم کو خیرات کی تمنا ہے
ہم بھی تو آپ ہی کے سائل ہیں

محبزہ کر دیا محبت نے
خود وہ اب میری سمت مائل ہیں

دُخُسن منزل، مگر پہنچنا ہے
راستے میں پہاڑ حائل ہیں

آپ سے میری کیا ہو ہم جائی
آپ سے کیا مرے خسائل ہیں!

اُس کا بیٹا ہی ہو گا سب بولے
مظہر عباس سے شکل ہیں





یہ ضروری بہت ضروری ہے
عشقِ بن زندگی اُدھوری ہے

کیا رکھیں گے وہ خوے خود داری
جن کا مسلک ہی جی خضوری ہے

ہنا کیوں میں شمار ہے اپنا
کوئی ناری ہے کوئی نوری ہے

سید و ملک میں تنازعے ہیں
کوئی لودھی تو کوئی سوری ہے

مظہر عباس معاف کر دو اے
جس کا نغرہ ہی بے قصوری ہے





ہے دل میں اب بھی عزت دوستوں کی
جنخون نے کی نہایت مشکلوں کی

ہپراغوں کو بجانا چاہتی ہیں
بتا دو ان کو سازش آندھیوں کی

خدائی رہ ٹھا کافی ہیں ہم کو
ضرورت کیا ہے ستون سادھوؤں کی

سمجھ میں آئے گی فتدرت خدا کی
کوئی دیکھے بناؤ چیوں کی

خدا یا! مار ڈالے ہے بُر کو
تری دنیا میں کثرت خواہشوں کی

کسی خطرے کی ہے یہ پیش بینی
حسم سے بن میں ہجرت تسلیوں کی

بے زورِ زر فتاویٰ لکھ رہے ہیں
جنھیں شدید نہیں ہے مسئلتوں کی

جسے درپیش ہو بس وہ ہی جانے
قیامت ہے اذیتِ رات جگوں کی

میں خود آئینے حنا نہ بن چکا ہوں
ضرورتِ مجھ کو کیا ہے آئنوں کی

کشاہوں پھر بھی نیزے پر حضڑھا ہوں
تلاؤت کر رہا ہوں آیتوں کی

وہی ابر کرم بھیجے گا ہم پر
سُنی ہے جس نے سوکھے جنگلوں کی

شمالی سمت سے جھونکا ہوا کا
بشارت ہے سہانے موسموں کی

خدا! بچج رحمت کی گھٹائیں
بدل حالت ہماری بستیوں کی

مرے ہر کام میں مظہرہ ہمیشہ
مدد شامل ہے چودہ ہستیوں کی





دل جو اُبڑا ہے تو آباد بھی ہو جائے گا
دن بدلتے ہیں، یہ گھر شاد بھی ہو جائے گا

کس نے سوچا ہتا کہ یہ وقت بھی آئے گا کبھی
تگ نخجیر سے صیاد بھی ہو جائے گا

وہ سبق جس کو بھلایا ہے مسلسل تم نے
وہ سبق تم کو کبھی یاد بھی ہو جائے گا

محبزہ وقت دکھائے گا یقیناً اک دن
داد گر عادی بیداد بھی ہو جائے گا

کوہ درپیش ہے شیریں سی غزل کی حناطر
منظہر عبا س سو فہاد بھی ہو جائے گا





دوستی گھر کی ڈشمنی گھر کی
دل کو بھاتی ہے سادگی گھر کی

اب کہاں مشعلِ خیال کی تو
بجھ چکی اب تو روشنی گھر کی

کوچھ غیر میں خودی ہے عزیز
ہم کو لاحق ہے بے خودی گھر کی

مسجد و ڈیرِ حبا کے دیکھ لیا
اب تو اچھی ہے بندگی گھر کی

گھر ہی جب تگِ دشت لگتا ہو
پھر کہاں وہ روا روی گھر کی

آ کے پر دیس یاد آتی ہے
مظہر عباس زندگی گھر کی





چو طرفہ سفیدے تھے کہ چادر تھی صبا کی
پاؤں میں وہ پیپل کے تھی پاکل سی ہوا کی

میں اس کی محبت سے تعریض نہ کروں گا
اللہ نے جتنی بھی مجھے عمر عطا کی

گو قیس یہادر کے برابر تو نہیں ہوں
میں نے بھی مسگر پیار ہی کی رسم ادا کی

میں ٹوٹ کے چاہوں گاؤں سے آخنڑی دم تک
ہے نقش مرے ماتھے پہ تحریر وفا کی

برداشت کیا جس کی عداوت کو بے صد شوق
اُس ڈھمن اُفت نے نہایت کی جنا کی





دروازے مقفل ہیں، صدا کوئی نہیں ہے
اندھیرا ہے گھپ گھیر، دیا کوئی نہیں ہے

ہم نے اُسے سمجھایا طلب رحمت حق کر
کہتا ہتا جو مایوس خدا کوئی نہیں ہے

ہر کام میں برکت کی ضمانت ہے مجھے تو
بے نام خدا کام کیا کوئی نہیں ہے

کثرت میں جو وحدت ہے تو مفہوم یہی ہے
سب رنگ ہیں یک رنگ جدا کوئی نہیں ہے

وہ حُسن ادھورا ہے زمانے کی نظر میں
جس حُسن کے پیکر میں ادا کوئی نہیں ہے

یورپ ہی کا ٹکڑا ہے مرا شہر نظر بھی
سر پر کسی بی بی کے ردا کوئی نہیں ہے

بے حرم ہیں درکار سزاوں کے لیے آج
 مجرم کی، عدالت میں سزا کوئی نہیں ہے

کوئی تو مرا ساتھ نہائے سر مقتل
اس عہد میں کیا اہل و فنا کوئی نہیں ہے

حق بات پر کرتا ہے تو کتنے دو مظہر
حق دار شہادت کا رہا کوئی نہیں ہے





غمِ حیات سے ہر گام سامنا کیا ہوا
میں رو دیا تو میرے دل کا بوجھ ہلا ہوا

انھیں لیقین نہیں ہتا میں ہار جباؤں گا
یہ حادثہ میرے والبُتگاں سے کیا ہوا

میں جس سے عہد نہ جانے میں جبان گنواتا ہتا
وہ خود ہی چھوڑ گیا یہ تو کام اچھا ہوا

مجھے بچپاؤ میں ظالم کی دست بُرد میں ہوں
یہ کیا شور ہتا جس سے شعور پسیدا ہوا

اُسی کو سوچ کے دل پر چھری سی چلتی ہے
وہ جس کی یاد میں رہتا ہتا ذہن مہکا ہوا

بغیر اس کے میں زندہ ہوں اور خوش خوش ہوں
جدید دور میں اعجاز یہ ہو یادا ہوا

عزیزو! مظہر محروم کا خیال کرو
سن تو زخم مجتہ کا پھر سے تازہ ہوا





اُشک آنکھوں سے یوں بیٹے ہیں
دل میں دریا سمیٹ لائے ہیں

جان لو گے تو کچھ تو سوچو گے
ہم نے کتنے ستم اٹھائے ہیں

جُنم سرزد ہوا ہے کیا ہم سے
رات دن کیوں ہمیں ستائے ہیں

کچھ بھی اعجاز شاعری میں نہیں
لفظ ہم نے اگر گنوائے ہیں

کام آئیں گے عمر بھر مظہر
ڈھنگ ماوں نے جو سکھائے ہیں





میں زخموں پر مسرہم بھی لگانا نہیں چاہوں
احسان زمانے کا اٹھانا نہیں چاہوں

اک دار پر جھکا ہوں تو مجھے فخر ہے اس پر
ہر دار پر مگر سر کو جھکانا نہیں چاہوں

اس سے تو مجھے روشنی ملتی ہے شب و روز
میں دل میں لگی آگ بجھانا نہیں چاہوں

وہ روحِ رواں اور متابعِ دل و حبائ ہے
اک لمحہ اُسے دل سے بھلانا نہیں چاہوں

ہر چیز گنو سکتا ہوں شوریدہ سری میں
پر ذوقِ عبادت کو گنوانا نہیں چاہوں

جو نقش اُبھارا ہتا کبھی خونِ جگ سے
وہ نقش محبت کا مٹانا نہیں چاہوں





کسی کے عشق کا سودا جو میرے سر میں ہے
معجیب طرح کے لذت سفر خضر میں ہے

میں اُس کوٹوٹ کے چپا ہوں گا میرا وعدہ ہے
آسی کا حبلوہ ہمیشہ مری نظر میں ہے

میں اُس کی نذر کروں سوچتا ہی رہتا ہوں
وہ ایسی کون تی شے ہے جو میرے گھر میں ہے

شم خدا کی خدا حبانتا ہے یہ سچ بھی
گزر کسی کا بھی اُس بن نہ دل گنگر میں ہے

مرے خمیر میں توحید کی سرایت ہے
مرے مزاج کا پرتو مرے ہنر میں ہے

مرے ہی نام شہرہ ہے بزم دوران میں
زمانہ چیزے ہمیشہ مری خبر میں ہے

عزمیزو! ملتی ہے لذت یہ ذکر حق سے فقط
سکونِ قلب حزین نالہ سحر میں ہے





کئی بے موت سرنا چاہتے ہیں
کئی سر کر لگانا چاہتے ہیں

مُصْر تھے وہ جو کل عہد وفا پر
وہی اب کے سکرنا چاہتے ہیں

تو گل بِر خدا کا محجزہ ہے
نہیں جنگ کرنا چاہتے ہیں

کٹھوں میں طاقت کس قدر ہے
فضاؤں میں اُبھرنا چاہتے ہیں

سحر بن کر ادب کے ہم اُفق پر
ہمیشہ آب ٹھہرنا چاہتے ہیں





لو ہمارے درمیان ضامن ہیں اب بارہ امام
ہم نہائیں گے ہمیشہ وعدہ عشق دوام

دل میں ٹو، آنکھوں میں ٹو، سانسوں میں ٹو اے لالہ فام
میری صحیحیں، میری شایم، میری راتیں تیرے نام

نشہ عشق حقیقی کا کریں گے اہتمام
یہ ترے ہاتھوں کے ساغر، یہ تری آنکھوں کے حبام

زندگی بھر میں تری شفقت کو ٹھکراتا رہا
پی رہا ہوں زہر فتائل، لے رہا ہوں انقام

جانِ مظہر آپ کی خوشیوں کی خاطر وقت مرگ
دیکھ لو میرے بوس پر ہے مسلسل ابتسام





کتنے برسوں سے مجھے اُس سے ہے اُفت مظہر
ہے وہی شخص فقط میری ضرورت مظہر

کتنی مدت میں تخيّل کے ہیولوں میں رہا
ہے میرے سامنے اب زندہ حقیقت مظہر

وہ کہ ہے جڑہ صفت یعنی موڈت پسیکر
اُس کی فتریت ہے مجھے باعثِ عزٰیز مظہر

میں اُسے چاہوں یہ ہے نیصلہ عرشِ بریں
فتنه انگیزی تو لوگوں کی ہے عادت مظہر

اپنا فن سینے میں لے کر جو چلے جباتے ہیں
ہے مجھے ایسے ستم کاروں پہ حیرت مظہر

آج سورج کو سوا نیزے پہ ٹھہرا پایا
اُس کا ملنا بھی تو ہے وجہ قیامت مظہر





آپ کا گھر مجھے اب اپنا ہی گھر لگتا ہے
ہاں مسکر ٹھہر کے لوگوں سے نظر لگتا ہے

دل نہیں لگتا مرا آپ کے کوچے کے بغیر
اس حوالی میں تو آسیب اڑ لگتا ہے

آپ کے قول سے سیکھی ہے تواضع میں نے
سرفہ کے پیڑ پہ کیا کوئی ثمر لگتا ہے

تیرتے رہتے ہیں آنکھوں میں منظر اکثر
زندگی اب تو پھاڑوں کا سفر لگتا ہے

اس فتدرذہن میں یادوں نے ہیں ڈیرے ڈالے
خطہ ذہن تو اب یاد گنر لگتا ہے

پیار دریا ہے تو اُس پار اُتر جاؤں گا
کون کہتا ہے مجھے دریا سے ڈر لگتا ہے

سر بلندی کا مجھے شوق ہے کتنا مظہر
ہو جو نیزے پر مجھے اپنا ہی سر لگتا ہے





مجھ کو معلوم ہے جو نوحہ گر دواراں ہے
پس وہی شخصِ مستین دیدہ ویر دواراں ہے

جس سے معلوم ہوں تسلکینِ دل و حبائ کے زمزوز
کیا مرے ہاتھ میں بھی وہ ہنر دواراں ہے

کتنے دروازوں پر ہے خلق کا انزال و ڈرود
آپ کا در تو مگر شاہ در دواراں ہے

ہونے والا ہے ظہور آپ کا تعمیل کے ساتھ
چاروں جانب یہی اک خبرِ دواراں ہے

میرے مولا! مجھے آمد کی بشارت سے نواز
منظہر عباس ترا نامہ بر دواراں ہے





مائیں سارے لوگ اُسی آستان کی سمت
اُنھتے ہیں سب کے ہاتھ اُسی آسمان کی سمت

جس کی طرف سے ہو کے گزرتے رہے رسول
پابِ رِکاب ہوں میں اُسی کہکشاں کی سمت

تحقیق کا نشہ ہے میرے ذہن و قلب میں
ہر لمحہ بڑھ رہا ہوں میں اک امتحان کی سمت

کچھ نے ترقیوں کو مقدر بنایا
کچھ بڑھ رہے ہیں آج بھی کارِ زیاد کی سمت

اُربابِ اختیار کا قبلہ ہے عنرب میں
بڑھتے چلے گئے ہیں سبھی مہربان کی سمت





جا رہا ہتا میں شہر کوفہ میں
گھر گیا ہوں دُکھوں کے صحراء میں

دوستوں نے جو ڈشمنی کی ہے
دوستی ڈھونڈتا ہوں اعدا میں

اس لیے ہوں تمہارا مہماں میں
مجھ کو شامل کرو آجبا میں

جب سے پی ہے مئے ولائے علیٰ
لکھ رہا ہوں میں مدح مولّا میں

چپاہتا ہوں کہ دفن ہو جاؤں
کاش میں بھی بہشت زہرا میں





سوچ رہا ہوں کب سے مظہر! کیا یارانہ ہے
جس کی خاطر موت سے کھیلے وہ بے گا نہ ہے

میرے صحن میں مجمع چپاندستاروں کا ہے رہتا
میرے گھر میں سورج کا بھی ٹھلا حنزا نہ ہے

گھر گھر اپنے عشق کا حپر چا لیکن یق ہے یہ
کہتے ہیں کچھ لوگ حقیقت کچھ افسانہ ہے

میں نے عشق کی تحریروں کو اپنے خون سے لکھا
میرے فن کا شہر کا ہر اک شخص دیوانہ ہے

مرحباوں تو خوش بُو پھیلے سارے عالم میں
میں نے نفسِ غزل کو مظہر یوں مہکانا ہے





خود نما جتنے پسیر دیکھے ہیں
اُن کے ہم راہ مسیر دیکھے ہیں

دیں فنروٹی ہے اُن کی دیں داری
مولوی بے ضمیر دیکھے ہیں

ناک جو آستین سے پوچھتے ہیں
ہم نے کتنے وزیر دیکھے ہیں

جن کو شدید نہیں سفارت کی
ایسے ایسے سفیر دیکھے ہیں

چ جو قلم کے سامنے کہ دیں
آدمی بے نظریں دیکھے ہیں

مظہر عباس اہل حق اکثر
قید و بند میں اسیر دیکھے ہیں





ہر گھری شام عنریب اک روایت ہوگی
میں اگر جیت نہ پایا تو قیامت ہوگی

آپ کے ہجر میں، میں ڈکھ کے جبزیرے میں رہا
آپ سے ملنا مسرے سکھ کی صنانت ہوگی

جب مرے پاس نہ ہو گے تو کڑے و قشون میں
آپ کی یاد مسرے دل میں امانت ہوگی

آپ میرے لیے کچھ سوچ رہے ہیں شاید
آپ کی سوچ یقیناً باعدالت ہوگی

ہر ستم گر کی سزا سمجھو یقینی مظہر
ساتھ مظلوموں کے جب اپنی وکالت ہوگی





دل میں ایساں کا آسرا بھی ہتا
ہاتھ میرے میں اک عصا بھی ہتا

روشنی دل سے پھوٹی تھی مگر
ظلمتوں میں بہت گھرا بھی ہتا

میری فطرت ہی میں تھی بے باکی
ظلم سے میں کبھی ڈرا بھی ہتا!

گھر پر میرے علم کا ہتا سایہ
نام عباس کا لیا بھی ہتا

مطمئن ہتا میں ہارتا کیسے!
ہاں مرے ساتھ تو خدا بھی ہتا

مجھ کو پہچانے میں دیر لگی
وہ جو تحفہ ہتا اک سزا بھی ہتا

اُس کو دل سے نکال ہی دیجیے
وہ جو اپنا ہتا بے وفا بھی ہتا

بجھ گیا وہ ہوس کے جھونکے سے
جو کبھی راہ کا دیا بھی ہتا

کچھ نے سوچا احباڑ کر ہم کو
خود جو احباڑا تو سوچتا بھی ہتا

جھوٹ ، لائچ ، فنریب چھوڑ دو تم
منظہر عباس نے کہا بھی ہتا





اُس کو میرے ساتھ جو دیکھا بستی والے رُوٹھ گئے
حال آں کہ مولاً کی قسم! ہم علم کے رستے پر تھے چلے

لوگوں کو یہ میسری عادت برسوں سے معلوم بھی تھی
میں تو اپنا آپ گنا کر کرتا ہوں اور وہ کے بھلے

غربت میں ایشارا کا حذبہ سنت ہے حق والوں کی
لیکن سب فتاوون صفت تو ڈشمن تھے پیغمبروں کے

نئے نئے درجات و مراتب حاصل ہیں اس دُنیا میں
کم تو نہیں ہے رتبہ اپنا، ہم ہیں ولیوں سے

میں نے تو اپنوں کی حنا طرف تم قدم فتر بانی دی
ساری عمر جو بھرنے پائیں اپنوں نے وہ زخم دیے

اُس کی یاد سے دل بہلانا بھی مظہر آسان نہیں
بڑے بڑے ابلیس ٹما ہیں دشمن یادوں کے





گریزاں جب سے وہ رہنے لگے ہیں
اُدھورا مجھ کو سب کہنے لگے ہیں

عجب یہ معجزہ ہے آج تک
بہاؤ کے الٹ بہنے لگے ہیں

جو کل تک بُت پرستی کر رہے تھے
انھیں اب لوگ رب کہنے لگے ہیں

میں ان کو کس طرح مظلوم کہ دوں
ستم جو خود بہ خود سہنے لگے ہیں

جو خود تھے راہطہ بڑھانے والے
اب ہم سے ڈور تر رہنے لگے ہیں





غزل کے باب میں معیار کی ضرورت ہے
دروںِ شعر بھی شہ کار کی ضرورت ہے

وہ کہ رہے ہیں مجھے، ہدیثہ قبول کرو
فقیرِ شہر کے افترار کی ضرورت ہے

کبھی قبول نہیں حاکمیت طاغوت
سرِ صلیب بھی انکار کی ضرورت ہے

منافقت کا وقیرہ سکوت ہے شاید
ستم کے عہد میں اظہار کی ضرورت ہے

ہمیں بھی دشتِ جنوں کے سفر پر جانا ہے
ہمیں بھی عشق کے رہ وار کی ضرورت ہے

اَزَلْ سے پایا ہے ہم نے مزاج پھولوں کا
ہماری قبر میں گل زار کی ضرورت ہے

نہیں ہے ہم کو ضرورت کسی بھی تھنے کی
فقط حضور کی سرکار کی ضرورت ہے





وہ سردارِ زم فتایم رہے گا
کہ جب تک یہ حس فتایم رہے گا

سحر صورت، دھنک رنگ۔ ہم بھی ہوں گے
اگر پرخ گھن فتایم رہے گا

عجب اک تجربہ کرنے چلا ہوں
ہمیشہ گل بدن فتایم رہے گا

ستم کی زد میں آسکتا نہیں ہے
وہ نورانی ہر فتایم رہے گا

ذوام اپنا مقدر ہو چکا ہے
مسروں گا میں سخن فتایم رہے گا

شہیدوں کی نہیں تکفین لازم
کہ فدیہ بے کفن قائم رہے گا

قتل کی روشنائی خون سے لوں گا
ادب کا بانگپن قائم رہے گا





میں قطرہ ہوں سمندر حپاہتا ہوں
وہ وُسعت اپنے اندر حپاہتا ہوں

نہیں منزل کا میں خواہاں اگرچہ
کھلے مجھ پر کوئی دار حپاہتا ہوں

تمہارا فترب ہو جس میں میسر
مری حبائ میں تو وہ گھر حپاہتا ہوں

محبازی رنگ اپناہتا ہوں جب بھی
غزل میں مصرع تر حپاہتا ہوں

شہادت میرا ورثہ ہے اذل سے
کسی دیوار میں سر حپاہتا ہوں





اپنوں کے ستم جب یاد آئے
آنکھوں میں آنسو لہرائے

بربادی گلشن میں ہم نے
کچھ ہاتھ شناس سے پائے

روزانہ زہر اُگتے ہیں
وہ لوگ جو ہم نے ٹکرائے

اُس کوچھ کوف میں ہم پر
ہر شخص نے پتھر برسائے

ہم ڈوبتے ڈوبتے بچ نکلے
وہ ساحل پر جب مسکائے

ہو حناص کرم مولा کا اگر
مظہر کو عظمت مل جائے





ستوں گرنے لگے ہیں آندھیوں سے
اُمذ آئے ہیں دریا ساحلوں سے

بھٹکتے ہیں وہ اکثر جنگلوں میں
بچڑھاتے ہیں جو بھی فتاںلوں سے

خدا پر کر لیا میں نے بھروسما
میں تائب ہو گیا ہوں آسروں سے

مزاجلوت نشینی میں ملا ہے
ملا نہ لطف مجھ کو محفاںوں میں

ملا تے کیوں نہیں ہم سب کو باہم
مجھے شکوہ یہی ہے رہ بروں سے

اُنّوٹ کا تقاضا اب یہی ہے
ملاو سلوں کو سلوں سے

فقط نامِ خدا گونجے جہاں میں
مسجد ، مندروں اور معبدوں سے

کفن بر دوش ہوں شام و سحر میں
کوئی کہ دے یہ میرے دشمنوں سے

زمیں میں نور جب ظاہر ہوا تو
اُتر آئیں گے عیسیٰ رُفتاؤں سے

مجھے مطلوب ہے مظہر خدا سے
مدد ہر لمحہ چودہ ہستیوں سے





میں عشق سجدہ ادا کر رہا ہوں برسوں سے
تمہی ملو یہ دعا کر رہا ہوں برسوں سے

تمہارا نام وظیفہ ہے صبح و شام مرا
یہ گر خطا ہے خطا کر رہا ہوں برسوں سے

سوال سننا تو مسئول کی عنایت ہے
میں سائلوں سی صدا کر رہا ہوں برسوں سے

وفا ازال سے مرا ورشہ و قیسہ ہے
میں اپنا عہد وفا کر رہا ہوں برسوں سے

زمانہ سوچتا ہے اک و بال میں ہوں میں
کہ زندگی کو سزا کر رہا ہوں برسوں سے

گھر غزل کے میں مظہر ادب کی دنیا کو
بے صد جمال عطا کر رہا ہوں برسوں سے





اُمن کی جو بھی صمات دیتا
اُس قلبے کا میں پانی بھرتا

خجراہ ذات میں تھا عرب عنریب
مولوی کیسی کتابیں لکھتا

آج درویش بھی زردار لگا
اپنے کشکول کے سکے گنتا

میں ابھی مہر بے لب ہوں یارو
ایک طوفان ہے دل میں بیٹھا

شہر میں حپر چا سخن کا ہے سرے
واعظِ خشک میں کیسے ڈھلتا

اپنی اوتات میں رہتا ہوں سدا
قطرے قطرے سے سمندر بھرتا

حادثہ ایسا بھی ہوتا اے کاش
سر مرا نوک سناں پر سجتا





جب بھی اُس سے کہا خدا حافظ
دل دھڑکنے لگا خدا حافظ

وہ بھی کیا بے خودی کا لمحہ ہتا
میں نے اُس شنا خدا حافظ

آنکھ نئم تھی ، مگر وہ لب بستہ
بولتا ہی گیا خدا حافظ

حباتے حباتے وہ مجھ کو حبان گیا
رو کے گویا ہوا خدا حافظ

آج بھی شام ہو گئی مظہر
وہ نہ آیا گیا ، خدا حافظ





یہ سوچا ہتا تجھے پوچھا کریں گے
مگر یہ بات اب سوچا کریں گے

بڑا کرتے رہے ہیں سوچ کر ہم
تمھیں پا کر ہی کچھ اچھا کریں گے

سچا کر رُو بَہ رُو ہر شب خطوں کو
تمھاری یاد میں رویا کریں گے

کہا ہت کس نے مجھ سے تم سرے ہو
در و دیوار سے پوچھا کریں گے

یہ خواہش ہے مگر ممکن کہاں ہے
لہ میں چین سے سویا کریں گے





زیست ناکام ہوگئی یارو
آخرش شام ہوگئی یارو

جس کو دیکھو وہی ہے سنگ بہ دست
بات کیا عام ہوگئی یارو

کوئی پوچھے مزاج کیا ہے
آس لازم ہوگئی یارو

پھر ہوا ہے حیات کا آغاز
موت انعام ہوگئی یارو



نمکین غزل

چیکا ہے مرا نگ ترے رنگ کے آگے
بھروانے کی وقعت ہی نہیں جنگ کے آگے

لاہور میں پرورد بسانے کی ہے کوشش
کیا ڈھنگ ہمیں آئے گا اس ڈھنگ کے آگے

سادھو تھے مگر سیس میں سریا تو نہیں ہتا
تھے سیس جھکائے ہوئے اور نگ کے آگے

درگاہ پہ اپنا تو ترک ہوا ضائع
لئی کی بھلا چلتی تھی کب بھنگ کے آگے

اس ”امن کی آشا“ میں نہیں جنگ کا خطرہ
اب جنگ نہیں ہوگی میرے ”جنگ“ کے آگے



نمکین غزل

تکلف اس قدر زیادہ نہیں ہے
مسگر کف گیر تک سادہ نہیں ہے

پلاتے ہیں ہمیں وہ بادی شربت
ہماری بزم بے بادہ نہیں ہے

اگرچہ بات لمبی ہے یقیناً
تمھاری ڈلف سے زیادہ نہیں ہے

عجب شترنخ کھیلی جا رہی ہے
کوئی فرزیں کوئی پیادہ نہیں ہے

محنت بن گئی ہے اب تو دُنیا
کہ تفسیریں نہ و مادہ نہیں ہے

ظرافت کی طرف موڑا ہے خود کو
غزل کا یہ نیا حبادہ نہیں ہے





سخت آفات اور قلندر ہے
زندگی رات اور قلندر ہے

ساری دنیا تھیں مبارک ہو
آخری بات اور قلندر ہے

جیتنے کا یہی طریقہ ہے
عشق کی مات اور قلندر ہے

اب کفن میں ہے حنا کے ٹکلیا
خاص سوغات اور قلندر ہے

گھر کے اندر بھی گھر کے باہر بھی
بزم نعمات اور قلندر ہے

ایک کمبل ہے مائیہ دُنیا
اپنی اوتات اور قلندر ہے

ریشمی کر دیں جس کو بھی چھو لیں
کھرد رے ہاتھ اور قلندر ہے

